مؤمن اور غیر مؤمن کے آرام میں فرق

(فرمودہ ۱۸؍اکتوبر ۱۹۳۵ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں اس امر کے متعلق بعض باتیں بیان کی تھیں کہ مؤمن کے آرام اور دوسرے لوگوں کے آرام میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔لوگ آرام کو کام کا ایسا نتیجہ قرار دیتے ہیں جو کام کے ختم ہونے کے بعد آتا ہے لیکن اسلام آرام اس کیفیت کا نام رکھتا ہے جو کام کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کے دل میں پیدا ہوتی ہے مثلاً صدقہ کرنے والا جب صدقہ کرتا ہے تو لوگوں کی نگاہ میں آرام کا یہ مطلب ہے کہ اسے کچھ دیر کے لئے صدقہ سے نجات مل گئی۔لیکن اسلام اس بات کو آرام قرار نہیں دیتا بلکہ صدقہ کرتے وقت انسان جو یہ خوشی محسوس کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ایک حکم کے بجالانے اور اپنے غریب بھائی کی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے یہ آرام ہے۔غرض ہر کام کرتے وقت جو سرور کی کیفیت انسانی دل میں پیدا ہوتی ہے اُس کا نام آرام ہے۔اور جس کو لوگ آرام کہتے ہیں یعنی کام کا ترک کر دینا اسے قرآن مجید آرام نہیں بلکہ سُستی، غفلت اور کسل قرار دیتا ہے۔مثلاً جب انسان ایک نماز پڑھ لے اور پھر دوسری نماز کے لئے اپنے دل پر بوجھ محسوس کرے اور کہے کہ ابھی تو ایک نماز پڑھ کر آیا ہوں اور یہ دوسری پھر پڑھنی پڑ گئی تو یہ کسل ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ منافق جب نمازوں کیلئے کھڑے ہوتے ہیں تو ان کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ قَامُوْا كُسَالٰى [1] ان کے دلوں پر بوجھ ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسی مصیبت پڑ گئی۔تو منافق کا نقطہ نگاہ یہ ہو

تا ہے کہ چونکہ ظہر کی نماز پڑھ لی ہے اس لئے اب وقفہ ملنا چاہئے ۔ چودہ پندرہ، بیس، تیس یا اڑتالیس گھنٹے کا کم از کم دو نمازوں میں وقفہ ہونا چاہئے تا انسان آرام کر سکے لیکن اسلام اسے آرام قرار دیتا ہے کہ جب ظہر کی نماز انسان پڑھ لے تو دل میں خلش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اور عبادت کریں اور جب عصر کی نماز پڑھ لے تو پھر خلش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اور عبادت کریں اور جب مغرب کی نماز پڑھ لے تو پھر خلش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی اور عبادت کریں ۔غرض مؤمن کا آرام اس کے قلب سے تعلق رکھتا ہے جسم سے نہیں اور وہ اس کے کام کا حصہ اور جُزو ہوتا ہے نہ علیحدہ چیز ۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ [۲] یعنی جب تم روحانی جنگ سے فارغ ہو جاؤ تو اصل کام پھر بھی باقی ہوتا ہے اس لئے پورے زور سے اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو۔

پس اس نکتہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہر مؤمن کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا اور اس کی اولاد اور عزیز واقارب کا بھلا کام کرنے میں ہی ہے اور حقیقی آرام بغیر کام کے نہیں مل سکتا۔مگر میں دیکھتا ہوں یہ خیال کہ کام کرنے کے بعد کچھ دیر کے لئے کام چھوڑ بھی دینا چاہئے یا کام کرنے کے بعد انسان کو پنشن ملنی چاہئے ، ایسا غالب ہے کہ کئی لوگ کام کو بوجھ اور چٹّی تصور کرتے ہیں ۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفوس کی اصلاح اور اپنی اولادوں کی اصلاح کی طرف سے بِالکل غافل ہیں ۔خود اپنے کاموں میں جس طرح انہیں اوقات کا استعمال کرنا چاہئے نہیں کرتے ۔حالانکہ جب انسانوں کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا کام ڈالا گیا ہے تو لازماً انہیں کام بھی بہت زیادہ کرنا چاہئے ۔مثلاً تمام لوگوں کے ذمہ یہ بات رکھی گئی ہے کہ وہ روزی کمائیں اور اپنے بیوی بچوں کو کھلائیں ۔اس کے لئے کسی کو چھ، کسی کو سات، کسی کو آٹھ، کسی کو نو، کسی کو دس، کسی کو گیارہ اور کسی کو بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے لیکن جب کوئی شخص الٰہی سلسلہ میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کے ذمہ دو کام ہو جاتے ہیں ۔ایک کام تو وہی ہے جو باقی لوگوں کے ذمہ ہے یعنی اپنے نفس کے لئے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے روزی کمائے اور کھلائے لیکن دوسرا کام اس پر یہ بھی ڈالا جاتا ہے کہ وہ ساری دنیا کا والی وارث بنے اور تمام دنیا کے آرام کا ذمہ وار بنے ۔پس جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو کام ہوں اُسے کام بھی دُہرا کرنا پڑے گا مگر کتنے ہیں جو اس طرف توجہ کرتے ہیں ۔ہم میں سے ہر شخص اگر اپنے نفس پر اور اپنے گرد و پیش

کے لوگوں کے حالات پر غور کرے گا تو اسے تھوڑے ہی ایسے ملیں گے جو واقعہ میں دوسرے کام پر اپنا اُتنا ہی وقت صَرف کرتے ہوں جتنا وہ اپنے بیوی بچوں کے لئے صَرف کرتے ہیں یا جتنا وقت صَرف کرنا ایک انسان کے لئے ممکن ہے۔ عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں کہ چندہ دیا اور چُھٹی ہوگئی یا نماز پڑھی اور فرض ادا ہوگیا حالانکہ چندہ تو کُل کام کا صرف ایک جُزو ہے اور نمازیں خود مؤمن کی بہتری اور روحانی ترقی کے لئے مقرر کی گئی ہیں بھلا یتیموں، غریبوں اور مسکینوں کو اس سے کیا فائدہ کہ تم نماز پڑھتے ہو یا دوسرے بنی نوع انسان کو کسی کی نماز سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ نماز تو انسان کے اپنے نفع کے لئے مقرر کی گئی ہے اور اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ اس کے نتیجہ میں انسان کو خدا تعالیٰ کا قُرب حاصل ہو مگر جو ذمہ داری اس پر عائد کی گئی ہے اور جو یہ ہے کہ وہ نہ صرف اپنا فکر کرے بلکہ دوسروں کا بھی فکر کرے، اُس کی کفالت تو اِس سے نہیں ہوسکتی۔ اس کی کفالت تو اسی طرح ہوسکتی ہے کہ ہر شخص نہ صرف تمام دنیا کی فلاح و بہبود کا کام اپنے ذمہ لے بلکہ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [۳] کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار بھی کرے۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کسی کے پاس روپیہ ہو تو وہ دوسروں کو بتائے کہ میرے پاس اتنا روپیہ جمع ہے بلکہ یہ ہے کہ وہ اپنی مفید طاقتوں کو لوگوں کیلئے خرچ کرے مثلاً اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے علم ملا ہے، عقل ملی ہے، دولت ملی ہے، عزت ملی ہے، رُتبہ ملا ہے ان تمام نعمتوں کو وہ لوگوں کی بھلائی کے لئے خرچ کرے۔ اگر علم ملا ہے تو لوگوں کو علم سکھائے، عقل ملی ہے تو لوگوں کو عقل کی باتیں بتائے، کوئی پیشہ جانتا ہے تو پیشہ سکھائے، روپیہ ملا ہے تو اسے رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرے۔

غرض جب تک یہ روح ہر شخص میں بیدار نہ ہوجائے اُس وقت تک حقیقی آرام میسر نہیں آسکتا۔ مگر یہ دنیا اپنے اندر اتنی کشش اور جذب رکھتی ہے کہ بہت سے لوگ اِس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی عائد کردہ ذمہ داریوں کی بجاآوری کا خیال نہیں کرتے بلکہ ان سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ اگر انہیں دنیا کے بداثرات سے نجات حاصل ہوتی تو وہ سمجھتے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انہیں جسقدر مفید طاقتیں ملی ہیں انہیں لوگوں کی بہبودی کے لئے خرچ کرنا چاہئے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں جو زندہ قومیں کہلاتی ہیں، وہ اپنے کاموں کا کچھ حصہ لوگوں کے لئے وقف کر دیتی ہیں۔ ہندوستان میں ہزاروں انگریز نرسیں ایسی ہیں جو ہندوستانی بیمار کی تیمارداری میں ہی اپنی عمر بسر کرتیں ہیں اور اس

وجہ سے شادی تک نہیں کرتیں۔ کئی عورتیں، مرد ایسے ہیں جنہوں نے کوڑھیوں کا علاج، ان کی پرورش اور ان کی رہائش کا ذمہ لیا ہوا ہے چنانچہ مدراس، پنجاب اور بنگال میں جہاں جہاں کوڑھ ہوتا ہے ایسے ہسپتال بنائے گئے ہیں جہاں یہ لوگ ان کی خدمت کرتے اور ان کے کھانے پینے اور پہننے کا بندوبست کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو تعلیم کی طرف لگے ہوئے ہیں انہوں نے ہندوستان میں مدرسے اور کالج کھول رکھے ہیں، کچھ لوگ ایسے ہیں جو صنعت وحرفت کی طرف متوجہ ہیں اور انہوں نے یہی شغل رکھا ہوا ہے کہ لوگوں کو مختلف پیشے سکھائیں۔ پھر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ہمیشہ غرباء کی مدد کرتے ہیں اور انہوں نے ایسی سوسائٹیاں بنائی ہوئی ہیں جو غریبوں اور یتامیٰ ومساکین کی خبر گیری کرتی ہیں۔ کئی مؤمن نما لوگ ناک بھوں چڑھا کر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ لوگ سب کچھ اپنی شُہرت یا اپنے ملک کے مفاد کی خاطر کرتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا جس کے ذمہ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہی فرائض عائد ہوں، اسے ان لوگوں سے زیادہ جوش اور عمدگی کے ساتھ کام کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر ایک شخص اپنے ملک سے محبت کرتا ہے اور اِس وجہ سے وہ مخلوق کی خیر خواہی کے کاموں میں حصہ لیتا ہے۔ اگر ایک شخص اپنی قوم سے محبت کرتا ہے اور اس وجہ سے یتامیٰ اور مساکین کی خبر گیری کرتا ہے، اگر ایک شخص عزت چاہتا ہے اور اس کے حصول کے لئے غریبوں سے ہمدردی کرتا ہے تو کیا مؤمن اپنے خدا سے محبت نہیں کرتا کہ اسے ان امور کی ضرورت نہیں؟ یہ کہہ دینا کہ وہ لوگ یہ کام اپنے ملک کے فائدے کیلئے کرتے ہیں یا قوم کے فائدے کے لئے کرتے ہیں کوئی جواب نہیں بلکہ یہ الزام کو اور زیادہ قوی کر دیتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ قوم کی عزت کے لئے غرباء سے ہمدردی کرتے یا رفاہِ عام کے کاموں میں حصہ لیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم سے محبت کرتے ہیں۔ یا جب وہ یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے ملک کے مفاد کے لئے ایسے کاموں میں حصہ لیتے ہیں تو گویا وہ تسلیم کرتا ہے کہ وہ اپنے ملک سے محبت کرتے ہیں۔ یا جب وہ کہتا ہے کہ فلاں لوگ اپنی ذاتی شُہرت وعزت کے لئے سب کچھ کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات سے محبت رکھتے ہیں۔ مگر وہ شخص جو مدعی ہو اِس بات کا کہ وہ اپنی ذات سے بڑھ کر خدا سے محبت کرتا ہے، اپنی قوم سے بڑھ کر خدا سے محبت کرتا ہے اور اپنے ملک کی محبت سے بڑھ کر خدا سے محبت کرتا ہے یہ فقرہ کہہ کر اس کی عزت کہاں رہ سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ قوم سے محبت کرنے والا تو

قربانی کرسکتا ہے لیکن خدا سے محبت رکھنے والا قربانی نہیں کرسکتا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اُس کا عشق جن لوگوں کو ہوتا ہے وہ اسے دنیا کی ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ باپ کیا، ماں کیا، عزیز واقارب اور رشتہ دار کیا، سب کو اس کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتے ہیں۔قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے اللہ اور اُس کے رسول سے اپنا باپ، اپنے بیٹے، اپنا قبیلہ، اپنا مال، اپنی تجارت اور اپنے مکانات زیادہ پسند ہیں اُسے کہہ دو کہ تمہارا کوئی ایمان نہیں۔ [۴] تو اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ کبھی برداشت نہیں کرتی کہ کوئی اُس کی محبت میں شریک بنے۔

رسول کریم ﷺ کی غیرت کو دیکھو کہ آپ کا طریق ہمارے لئے اُسوہ حسنہ ہے آپ کو اللہ تعالیٰ کے نام کے لئے جو غیرت تھی وہ اِس واقعہ سے آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔ احد کی جنگ جو ایک مشہور جنگ ہے اور ہر مسلمان جسے تاریخِ اسلام سے ذرہ بھر بھی اُنس ہے اس کے حالات جانتا ہے۔ اس جنگ میں ایک موقع پر ایسی حالت ہوگئی کہ صحابہ کے قدم اُکھڑ گئے اور بہت تھوڑے صحابہ میدانِ جنگ میں رہ گئے۔ بلکہ ایک وقت اایسا آیا جب کہ صرف چھ سات صحابہؓ رسول کریم ﷺ کے گِرد رَہ گئے۔دشمن انہیں بھی ریلتے ہوئے پیچھے دھکیل کرلے گیا اور اُس نے پتھروں کی بوچھاڑ رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ پر کردی۔رسول کریم ﷺ کو اِس سے سخت تکلیف ہوئی آپ کے بعض دندانِ مبارک ٹوٹ گئے اور آپ تکلیف کی وجہ سے بیہوش ہوکر گر گئے۔اس کے بعد بعض صحابہؓ شہید ہوکر گرے اور اُن کے جسم رسول کریم ﷺ کے جسم کے اوپر گر گئے۔اور باقی صحابہ نے خیال کیا کہ شاید رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں۔تھوڑی دیر کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو پھر طاقت دی اور اُنہوں نے باوجود کمزوری کے اِس ایمان اور اخلاص سے کام لے کر جو اُن میں ودیعت تھا پھر اکٹھا ہونا شروع کیا اور بہت سے صحابہ جمع ہو گئے۔صحابہ کا اخلاص اِس حد تک پہنچا ہؤا تھا کہ ایک صحابی کے متعلق تواریخ میں آتا ہے کہ وہ جنگِ بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے۔بعد میں جب کبھی وہ بدر کے واقعات سنتے تو انہیں بڑا درد پیدا ہوتا اور جوں جوں صحابہ کفار کی شکست کا ذکر کرتے انہیں اور زیادہ جوش آتا۔اور وہ کہتے میں اگر ہوتا تو آپ لوگ دیکھتے کہ کیا کرتا۔بظاہر یہ متکبرانہ دعویٰ ہے مگر کبھی عشق میں چور ہوکر اِس قسم کے الفاظ انسان کے منہ سے نکل جاتے ہیں۔عام طور پر یہ فقرات منافقوں کے منہ سے نکلا کرتے ہیں مگر کبھی کبھی نہایت جوشیلے مؤمن بھی جب سنتے ہیں کہ وہ کسی خدمتِ

دین کے خاص موقع سے محروم رہ گئے ہیں تو اُس وقت وہ اپنا جوش اس قسم کے الفاظ سے نکالتے ہیں کہ اگر ہم ہوتے تو یُوں کرتے ۔اسی جذبہ کے ماتحت یہ صحابی جب دوسرے صحابہ کی جُرأت کا کوئی واقعہ سنتے تو کہا کرتے کہ تم نے کچھ بھی نہ کیا میں اگر ہوتا تو دکھاتا کہ کس طرح جنگ کیا کرتے ہیں ۔احد کی جنگ میں یہ بھی شامل تھے چونکہ اس جنگ میں مسلمانوں کو پہلے ہی فتح ہوئی تھی وہ مطمئن ہو کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے اور کھجوریں کھا رہے تھے۔ کھجوریں کھاتے ہوئے انہوں نے کیا دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک پتھر کے اوپر بیٹھے ہیں اور اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں ۔انہوں نے پوچھا عمرؓ! کیا ہوا روتے کیوں ہو؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا رسول کریم ﷺ شہید ہو گئے ہیں ۔ وہ اُس وقت آخری کھجور کھانے لگے تھے اور منہ کی طرف لے جا رہے تھے کہ جونہی انہوں نے یہ بات سنی کھجور اپنے ہاتھ سے پھینک دی اور کہا میرے اور جنت کے درمیان کیا صرف یہی ایک کھجور حائل نہیں؟ پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا مجھے آپ پر تعجب ہے رسول کریم ﷺ اگر شہید ہو گئے ہیں تو آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں جہاں وہ گئے ہم بھی وہیں جائیں گے ۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنی تلوار ہاتھ میں لی اور میدانِ جنگ میں کُود پڑے ۔ اور اتنی بہادری سے لڑے کہ جب وہ لڑتے لڑتے شہید ہوئے تو بعد میں ان کے جسم پر تلوار کے ستّر زخم دیکھے گئے ۔ [۵]

غرض صحابہ جوشِ ایمان سے باوجود ظاہری کمزوری کے اور پاؤں اُکھڑ جانے کے پھر اکٹھے ہو گئے اور جب انہوں نے نعشوں کو ہٹایا تو دیکھا کہ رسول کریم ﷺ زندہ ہیں ۔صحابہ نے آپ کو اُٹھایا اور جب آپ کو ہوش آیا تو آپ تمام مسلمانوں کو ایک پہاڑ کی طرف لے گئے اُس وقت چونکہ تمام صحابہؓ زخموں سے چور تھے اور بہت کم ایسے تھے جو تندرست ہوں ۔ اِس لئے رسول کریم ﷺ نے صحابہ کو ہدایت فرمائی کہ خاموش رہو۔ دشمن کو خواہ مخواہ برانگیختہ کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔ابوسفیان جو کفار کا کمانڈر تھا مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر بولا ، دیکھا ہم نے بدر کا بدلہ لیا یا نہیں ۔ پھر کہا دیکھو ہم نے تمہارے محمد (ﷺ) کو مار دیا۔بعض صحابہ اس پر بولنے لگے مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا چُپ رہو بولنے کی کیا ضرورت ہے ۔ جب مسلمانوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا تو وہ کہنے لگا کیا تم میں ابوبکر زندہ ہے ؟ (میں اس جگہ ضمناً یہ بات بتا دیتا ہوں کہ ابوسفیان کے ان سوالات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی زندگی میں کفار تک بھی یہ سمجھتے تھے کہ رسول کریم ﷺ

کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہی مسلمانوں میں اعلیٰ حیثیت رکھتے ہیں اور آپکی وفات کے بعد انہی کا وجود مسلمانوں کے لئے نقطۂ اجتماع ہوسکتا ہے) رسول کریم ﷺ نے پھر صحابہ سے فرمایا خاموش رہو جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ جب ابوسفیان کو اِس بات کا بھی جواب نہ ملا تو کہنے لگا ہم نے ابوبکر کو بھی مار دیا۔ پھر اُس نے پوچھا کیا تم میں عمرؓ زندہ ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جواب دینے لگے تو رسول کریم ﷺ نے پھر فرمایا چُپ رہو۔ جب اِس بات کا بھی ابوسفیان کو کوئی جواب نہ ملا تو وہ کہنے لگا ہم نے عمر کو بھی مار دیا۔ پھر اُس نے تکبر سے نہایت بلند آواز سے نعرہ لگایا اور کہا اُعْـلُ هُبُلُ ۔ اُعْلُ هُبُـــــــلُ ۔ ہُبل ان کا دیوتا تھا جس کی وہ پرستش کیا کرتے تھے مطلب یہ تھا کہ آج واحد خدا کے پرستار ہُبل کی پرستش کرنے والوں کے سامنے تباہ ہوگئے اور ہُبل جیت گیا۔ صحابہ اِس پر خاموش رہے کیونکہ رسول کریم ﷺ انہیں بار بار یہ ہدایت دے چکے تھے کہ چپ رہو۔ مگر جب ابوسفیان نے اُعْـلُ هُبُلُ کا نعرہ لگایا۔ اور فخر یہ کہا کہ ایک خدا کے مقابلہ میں ہُبل جیت گیا تو رسول کریم ﷺ نے بڑے جوش سے صحابہ کی طرف دیکھا اور فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہؓ نے عرض کیا یَـــــا رَسُـوْلَ اللّٰهِ! کیا کہیں؟ آپ نے کہو اَللّٰـهُ عَـزَّوَجَـلَّ اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ تم ہُبل کو لئے پھرتے ہو ہُبل تو کوئی چیز نہیں اللہ ہی ہے جو عزت وجلال والا اور اسی کا نام دنیا میں بلند ہے۔[۶] تو دیکھو کتنے نازک مقام پر رسول کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لئے غیرت کا مظاہرہ فرمایا۔ دشمن مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھ کر انہیں چیلنج کرتا ہے اور کہتا ہے ہم نے محمد ﷺ کو مار دیا، ابوبکر اور عمر کو مار دیا۔ مگر رسول کریم ﷺ صحابہ کی کمزور حالت کو دیکھ کر فرماتے ہیں خاموش رہو اور جواب مت دو۔ مگر جونہی خدا کا نام آتا ہے اور ہُبل کی فتح جتائی جاتی ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے فرماتے ہیں خاموش کیوں ہو، بولو اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ۔ اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ۔ تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے مؤمن کو جو محبت ہوتی ہے اس کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی ۔ ماں باپ، بیٹے، بھائی، بہنیں، عزیز و اقارب اور رشتہ دار سب اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے جو دیر کے بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے مختلف باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ باتوں باتوں میں حضرت ابوبکر سے کہنے لگے ابا جان! فلاں جنگ کے موقع پر میں ایک پتھر کے پیچھے چُھپا ہوا تھا۔ آپ میرے سامنے سے دو دفعہ گزرے۔ میں اگر اُس وقت چاہتا تو آپ کو مار دیتا مگر

میں نے اِس خیال سے ہاتھ نہ اُٹھایا کہ آپ میرے باپ ہیں ۔ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ سن کر بولے میں نے تجھے اُس وقت دیکھا نہیں اگر میں تجھے دیکھ لیتا تو چونکہ تُو خدا کا دشمن ہو کر میدان میں آیا تھا اِس لئے میں تجھے ضرور مار دیتا۔

تو مؤمن کا سارا دارو مدار اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے ۔ بیشک وہ اپنے باپ سے محبت کرتا ہے، بے شک وہ اپنی ماں سے محبت کرتا ہے، بے شک وہ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے مگر اُس کی ساری محبتیں خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو جاتی ہیں ۔جس طرح سورج چڑھتا اور تمام روشنیوں کو ماند کر دیتا ہے اسی طرح جب خدا تعالیٰ کی محبت کا سورج چڑھتا ہے تو کوئی محبت اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتی ۔ اور وہ اس طرح غائب ہو جاتی ہے جس طرح جُگنو کی چمک سورج کی روشنی کے مقابلہ میں غائب ہو جاتی ہے۔

ایک مؤمن کے لئے کتنی غیرت کا مقام ہے کہ اس وقت دنیا اپنے جھوٹے بُتوں کی خاطر قربانیاں کر رہی ہے ۔کوئی اپنی قوم کے بُت کے آگے جھکا ہوا ہے کوئی اپنے ملک کے بُت کے آگے جھکا ہوا ہے،کوئی اپنی ذات کے بُت کے آگے جھکا ہوا ہے لیکن خدا تعالیٰ کا پرستار اُس کے لئے قربانیاں کرنا ضروری نہیں سمجھتا ۔اور پھر دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدا سے محبت رکھتا ہے آخر خدا کی محبت کی کوئی علامت بھی تو ہونی چاہئے ۔کبھی تم نے دیکھا کہ کوئی چیز اپنی حقیقی شان میں موجود ہو اور پھر اس کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔کس طرح ممکن ہے کہ سورج چڑھا ہوا ہو مگر اس کی روشنی نہ ہو۔کس طرح ممکن ہے کہ آگ جل رہی ہو مگر وہاں گرمی اور دُھواں نہ ہو پھر کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کا عشق انسان کے دل میں ہو مگر اس کی چنگاری میں چمک پیدا نہ ہو رہی ہو۔ جہاں عشق ہوتا ہے وہاں تو محبوب کی معمولی معمولی بات بھی پسند آ جاتی ہے ۔ احادیث میں ذکر آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تو راستہ میں آپ نے ایک جگہ پیشاب کیا ۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بھی جب ایک دفعہ اس مقام سے گزرے تو اسی جگہ پیشاب کرنے کے لئے بیٹھ گئے چونکہ وہ تھوڑی دیر پہلے بھی پیشاب کر چکے تھے اس لئے ایک شخص نے پوچھا ابھی آپ پیشاب کر کے آئے تھے پھر پیشاب کرنے بیٹھ گئے ہیں ۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا مجھے پیشاب کی حاجت تو نہ تھی مگر میں یہاں اس لئے بیٹھ گیا کہ رسول کریم ﷺ یہاں پیشاب کی حاجت پر بیٹھے تھے ۔ [ے]

دُنیوی عاشقوں کے قصے جو مشہور ہیں وہ بھی انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔ مشہور ہے کہ مجنوں لیلیٰ کے کوچہ کی طرف گیا تو لیلیٰ کے کُتّے کو چمٹ گیا۔ کسی نے کہا کُتّے کو چوم رہے ہو؟ کہنے لگا کُتّے کو نہیں بلکہ لیلیٰ کے کُتّے کو۔ پھر تعجب ہے انسان دعویٰ تو یہ کرے کہ وہ خدا کا عشق اپنے اندر رکھتا ہے مگر اس کی کوئی گرمی اس کی کوئی سوزش، اس کی کوئی جلن اور اس کا کوئی نشان ظاہر نہ ہو۔ وہ کیسی آگ ہے جو جلاتی نہیں، وہ کیسی آگ ہے جو گرمی نہیں پہنچاتی، وہ کیسی آگ ہے جو دُھواں نہیں دیتی۔ پس مؤمن کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کو مفید ترین بنائے کیونکہ یہی اس کے پیارے خدا کی خواہش اور آرزو ہے۔

دیکھو رسول کریم ﷺ نے مؤمن کی تعریف کیا کی ہے۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ کے پاس کھجور کا ذکر ہؤا اور لوگوں نے کہا یہ کیسا عجیب پھل ہے۔ جب کچا ہو تب بھی کھایا جاتا ہے اور جب پک جائے تب بھی کھایا جاتا ہے، خشک ہو تب بھی کھایا جاتا ہے تر ہو تب بھی کھایا جاتا ہے۔ یہ پھل کا پھل ہے، غذا کی غذا اور مقوی کا مقوی۔ اس کا چھلکا بھی کام آتا ہے اور پتا بھی۔ غرض اس کا درخت، اسکا پھل، اس کا پتا سب کچھ کام آتا ہے۔ رسول کریم ﷺ نے سن کر فرمایا۔ یہ مؤمن کی پھوپھی ہے۔[۸] مطلب یہ کہ مؤمن کو بھی ایسا ہی بننا چاہئے کہ اُس کا وجود ہر رنگ میں لوگوں کے لئے مفید ہو۔ وہ بیمار ہو، تندرست ہو، بوڑھا ہو یا جوان، چھوٹا ہو یا بڑا، مصیبت میں ہو یا راحت میں، ہر حالت اور ہر صورت میں وہ دنیا کے لئے مفید بنے۔ غرض مؤمن کی یہ علامت ہے کہ اُس کا کوئی وقت بیکار نہ ہو اور یہ یقینی بات ہے کہ جب تک وہ اپنے آپ کو دنیا کے لئے کارآمد نہ بنائے اللہ تعالیٰ کا عاشق نہیں کہلا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کئی غلطیاں عادتوں کے ماتحت انسانوں میں پیدا ہو جاتی ہیں جن کی وجہ سے وہ نہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرتے ہیں اور نہ اپنی اولاد کی اصلاح کی طرف۔ میں نے کئی دفعہ اولاد کی اصلاح کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی ہے مگر کتنے ہیں جو اپنی اولاد پر اس لئے بوجھ ڈالتے ہیں کہ ان کی آئندہ زندگی سنور جائے۔ میں دیکھتا ہوں کہ اُستاد اگر بچوں کو ذرا سا بھی جھڑک دے تو ان کے ماں باپ شور مچانا شروع کر دیتے ہیں کہ ہمارے بچوں پر ظلم کیا گیا ہے۔ میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ کئی دفعہ ظالمانہ طور پر بھی اُستاد بچوں کو پیٹتے ہیں اور ان کا بچوں کو اس طرح پیٹنا نہ صرف اخلاق اور صحت کے لحاظ سے بلکہ دین کے لحاظ سے بھی مُضِرّ ہوتا ہے اور میں اس کو سخت ناپسند کرتا ہوں لیکن

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ والدین بغیر کسی وجہ کے شور مچا دیتے ہیں اُستاد حق پر ہوتا ہے مگر وہ بچوں کی بے جا محبت میں اُستاد کے خلاف شور مچانے لگ جاتے ہیں۔ انہیں مثلاً اسی پر تکلیف محسوس ہونی شروع ہو جاتی ہے کہ ہمارے بچوں پر نمازوں کے لئے کیوں پابندی عائد کی جاتی ہے اور کیوں ان کے آرام میں خلل ڈالا جاتا ہے۔ بورڈنگوں سے وہ اس لئے گھبراتے ہیں کہ اگر ہمارے بچے ان میں داخل ہو گئے تو نہ معلوم ان سے کیا سلوک ہو گا، ان کی نگرانی کی جائے گی، انہیں باقاعدگی کے ساتھ نمازیں پڑھنی پڑیں گی۔ اکثر اوقات جب بچوں کے کسی عیب کو بیان کیا جاتا ہے تو ماں باپ کو بُرا لگتا ہے۔ اگر ان کا بچہ جھوٹ بول رہا ہو اور انہیں توجہ دلائی جائے تو وہ سن کر ہنس دیتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہوا انیانیا ہے۔ حالانکہ بچپن ہی تو وہ عمر ہے جس میں اخلاق سُدھر سکتے ہیں بڑے ہو کر کیا اصلاح ہو گی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ہمیشہ آم کے درخت کی مثال دیا کرتے تھے کہ جب اِس کی گٹھلی زمین میں ڈالی جاتی ہے تو تھوڑے دنوں کے بعد اس کا خوشہ سا نکل آتا ہے۔ بچے اُس وقت گٹھلی زمین سے اُکھیڑ کر اور اسے ذرا سا گھس کر باجہ بنا لیتے ہیں جس کو پنجابی میں پیلیاں کہتے ہیں مگر جب آم کا درخت بڑا ہو جاتا ہے تو اُس وقت بچے کیا اگر سارا خاندان مل کر بھی اُسے دھکّے دے تو وہ نہیں گر سکتا۔ یہی حال انسان کے گناہوں اور عیوب کا ہوتا ہے جب گناہوں کی ابتدا ہو اُس وقت انہیں دور کیا جا سکتا اور اُس کے پودا کو اُکھیڑا جا سکتا ہے مگر جب گناہ نشو و نما پا جائیں اور درخت کی صورت اختیار کر لیں تو پھر ان کو اُکھیڑنے کے لئے کسی زلزلہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض ماں باپ کے لئے موقع ہوتا ہے کہ وہ بچپن میں اپنی اولاد کی اصلاح کریں اور ان سے نمازوں کی پابندی کرائیں لیکن چونکہ وہ اس طرف توجہ نہیں کرتے اس لئے ان کے لڑکے آوارہ پھرتے رہتے ہیں اور جب دریافت کیا جائے تو کہہ دیتے ہیں کیا کیا جائے بڑا شوخ بچہ ہے۔ اور جب وہ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں ان کے چہرہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا اُس کی شوخی پر انہیں بڑا فخر ہے۔

ایک چھوٹی سی بات میں بتاتا ہوں کئی دفعہ میں نے اِس کی طرف توجہ دلائی ہے مگر لوگوں نے اب تک عمل نہیں کیا۔ بازاروں میں سے جب ہمارے بچے گزرتے ہیں تو چونکہ وہ غیروں کو گالیاں دیتے عام طور پر سُنا کرتے ہیں، اِس لئے وہ بھی ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں۔ اگر کسی کو بنی نوع انسان سے محبت ہو اور وہ دوسرے کے بچوں کو بھی اپنے بچوں کی طرح سمجھے تو وہ انہیں محبت اور پیار

سے سمجھا سکتا ہے کہ گالیاں نہیں دینی چاہئیں۔ مگر میں نے دیکھا ہے کہ بچے گالیاں دیتے ہیں اور نہایت گندی گالیاں دیتے ہیں لوگ پاس سے گزر جاتے ہیں اور انہیں منع نہیں کرتے۔ انہیں کبھی خیال نہیں آتا کہ یہ گالیاں نہیں بلکہ زہر ہے جو یہ کھا رہے ہیں اس سے ان کو روکنا چاہئے۔ یہ چھوٹی سے چھوٹی نیکی ہے جو کی جاسکتی ہے مگر لوگ اس طرف توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اگر کوئی شخص راستہ سے کانٹا ہٹا دے تو اسے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے، کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ ایک کنکر یا کانٹے کا راستہ سے ہٹا دینا تو ثواب کا موجب ہے لیکن اگر کوئی بچہ گالیاں دے کر زہر کھا رہا ہو اور تم اسے روکو تو تمہارے لئے کوئی ثواب نہیں۔ یا تم اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہو کہ تمہیں ثواب کی ضرورت ہی نہیں۔ صحابہؓ کو تو اِس قسم کی باتوں کا اتنا شوق تھا کہ ایک دفعہ جب ایک صحابی نے دوسروں کو بتایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص میت کا جنازہ پڑھے، اُسے کندھا دے اور پھر اُس کے دفن ہونے تک قبر پر ٹھہرا رہے تو اُسے اُحد کے برابر ثواب ملتا ہے۔[9] تو بعض صحابہ کہنے لگے تم نے یہ بات ہمیں پہلے کیوں نہ بتائی۔ نہ معلوم عدمِ علم کی وجہ سے اب تک ہم نے کتنے ثواب کے اُحد ضائع کر دیئے۔ اسی طرح تم بھی اپنے آپ کو خاموش رکھتے ہو۔ اور دوسروں کو بدی سے نہیں روکتے۔ پس کیا معلوم کہ تم نے بھی ہزاروں نہیں لاکھوں اور کروڑوں اُحد ضائع کر دیئے ہوں۔

پس جب کسی بچے کو گالیاں دیتے سنو تو تمہارا فرض ہے کہ اسے منع کرو مگر لڑ کر نہیں بلکہ محبت اور پیار کے ساتھ۔ پھر اپنے بچوں کو نمازوں کا پابند بناؤ اور ان سے کام لو۔ کام کرنے سے کبھی صحت خراب نہیں ہوتی بلکہ بیکار بیٹھنے سے صحت خراب ہوتی ہے۔ بیشک شاذ کے طور پر ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جنہیں کام کی زیادتی کی وجہ سے سِل اور دِق ہوگئی مگر کثرت سے دنیا میں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ آوارگی کی وجہ سے نوجوانوں کو سِل یا دِق ہوئی۔ وہ بیکاری اور آوارگی کی وجہ سے ایسی عمر میں شہوانی باتوں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ جس عمر میں شہوانی باتوں کی طرف توجہ کرنا زہر ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے دماغ کمزور ہو جاتے ہیں، دل کمزور ہو جاتے ہیں، پھیپھڑے کمزور ہو جاتے ہیں اور پھر بعض پاگل ہو جاتے اور بعض سِل یا دِق کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تم کسی سکول میں چلے جاؤ تمہیں نظر آئے گا کہ زیادہ پڑھنے کے نتیجہ میں سِل دِق سے بیمار رہ کر مرنے والے تھوڑے ہیں لیکن آوارہ

ہو کر سِل دِق کا شکار ہونے والے بہت زیادہ ہیں ۔پس جو لوگ اپنی اصلاح نہیں کر سکتے انہیں کم از کم اپنی اولاد کی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیئے ۔مگر میں کہتا ہوں یہ کیوں کہا جائے کہ فلاں شخص اپنی اصلاح نہیں کر سکتا ۔ ہر شخص ہر عمر میں اپنی اصلاح کر سکتا اور نیکیوں میں ترقی کر سکتا ہے ۔لوگوں کو چاہیئے کہ وہ ہر جگہ ایسی سوسائٹیاں اور انجمنیں بنائیں جو مفید کام کرنے والی ہوں ۔ ہر محلّہ میں اگر کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں جو بیواؤں کو سَودا سلف لا دیا کریں یا یتیم بچوں کی نگرانی کریں تو یہی بہت بڑا کام ہے ۔تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تمہیں یہ کام کرنے آتے نہیں ۔تم میں سے جسے ایک حرف پڑھنا بھی نہیں آتا وہ بھی یہ کام کر سکتا ہے ۔کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ جب وہ اپنا سَودا لینے جائے تو اپنے محلّہ کی بیواؤں یا معذور عورتوں سے بھی پوچھتا جائے کہ انہوں نے کوئی سَودا تو نہیں منگوانا ۔اور پھر اپنے سَودے کے ساتھ اس کا سَودا بھی لیتا آئے آخر اس سے کونسا ایسا زائد بوجھ پڑ سکتا ہے جو انسان اُٹھا نہیں سکتا ۔گلی میں سے گزرتے ہوئے اگر انسان کسی بیوہ کے دروازہ پر دستک دے کر دریافت کر لے کہ بازار سے کوئی سَودا تو نہیں منگوانا ۔ یا کوئی یتیم گزر رہا ہو تو اسے پیار کر دے تو اس پر کونسا وقت خرچ ہوتا ہے ۔ یتامیٰ کی خرابی کی بڑی وجہ یہ ہوا کرتی ہے کہ انہیں پیار کرنے والا کوئی نہیں ہوتا ۔اگر تم اپنے بچہ کو پیار کرتے وقت کسی یتیم کے سر پر بھی ہاتھ پھیر دیتے ہو تو اس پر ایک منٹ بھی نہیں لگتا ۔مگر کتنے ہیں جو یہ کام کرتے ہیں ۔یتیم کی طرف اگر ایک دفعہ بھی محبت کی نگاہ سے دیکھ لیا جائے تو وہ ہمیشہ کیلئے ممنونِ احسان ہو جاتا ہے ۔ اس میں شبہ نہیں کہ روٹی ایک ضروری چیز ہے اور جب تک انسان روٹی نہ کھائے وہ بھوک سے تکلیف پاتا ہے ۔اس میں شبہ نہیں کہ پانی ایک لُطف دینے والی چیز ہے اور اگر انسان پانی نہ پیئے تو پیاسا رہتا ہے ۔اس میں شبہ نہیں کہ کپڑے ایک اچھی چیز ہیں اور انسان اگر کپڑے نہ پہنے تو ننگا رہتا ہے ۔اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اچھی روٹی ، اچھے پانی اور اچھے کپڑے کی طرف سب کو رغبت ہوتی ہے لیکن ان سب سے بڑھ کر ایک محبت کرنے والے ہاتھ کی یتیم کو ضرورت ہوتی ہے ۔تم ایک یتیم کو اچھی سے اچھی غذائیں کھلا کر اور اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے پہنا کر خوش نہیں کر سکتے لیکن اگر ایک غریب اور فقیر انسان اپنا محبت بھرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دے تو وہ خوش ہو جائے گا مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ایسا کرنے کی تم میں طاقت نہیں ۔ یا کوئی ہے جو کہہ سکے کہ اِس قسم کے کاموں کے لئے اُس کے پاس وقت نہیں ۔پس اپنے آپ کو دنیا کے لئے مفید ترین وجود بناؤ ۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا

ہے کہ بِلا وجہ انجمنیں اور سوسائٹیاں بنانا اچھا نہیں۔ مگر اس قسم کے کاموں کے لئے جیسا بیواؤں کی خبر گیری یا یتامیٰ کی پرورش اور ان کی نگرانی کے نقطہ نگاہ کے ماتحت یتیموں کو گھروں میں بھی رکھا جا سکتا ہے مگر کئی لوگ یتامیٰ کو اپنے گھروں میں رکھ کر ایسا ظالمانہ سلوک ان سے کرتے ہیں کہ حالات سن کر دل ڈر جاتا ہے۔ وہ گھروں میں ان کی پرورش نہیں کرتے بلکہ ان پر ظلم کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ان سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ کام تو لیا جائے بلکہ اپنے بچوں سے بھی کام لینا چاہیئے مگر اپنے بچوں کی طرح کبھی ان سے پیار بھی تو کرنا چاہیئے۔ نہ سہی اپنے بچے جتنا، اس سے کچھ کم سہی۔ یتیم اگر یہ نہ سمجھے کہ میں اس کا بیٹا ہوں تو کم از کم یہ تو سمجھے کہ میں اس کا بھتیجا ہوں یا کوئی رشتہ دار ہوں۔

یا درکھو عوام کی بہبود کے کام عورتیں بھی کر سکتی ہیں اور مرد بھی۔ پھر اس قسم کے کاموں میں کسی خاص مذہب کا سوال نہیں ہوتا اور نہ یہ ضروری ہوتا ہے کہ صرف مسلمان سے ہمدردی کی جائے بلکہ ایک ہندو، ایک سِکھ، ایک عیسائی اور ایک یہودی غریب سے بھی اسی طرح کا حُسنِ سلوک کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ تم پاگلوں کی طرح دنیا میں دَوڑے پھرو اور جو نعمت اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہے، اس سے لوگوں کو مستفید کرو۔ روپے کے متعلق اگر بُخل بھی کر لیا جائے تو دوسری چیزوں کے متعلق بُخل کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ تو جتنی خرچ کی جائیں، اتنی ہی بڑھتی ہیں روپیہ بھی خرچ کرنے سے بڑھتا ہے مگر اس کا بڑھنا ہر ایک کو نظر نہیں آ سکتا۔ لیکن باقی چیزوں کے متعلق تو ہر شخص جانتا ہے کہ انہیں جتنا خرچ کیا جائے۔ اتنی ہی بڑھتی ہیں۔ بڑے بڑے نامور ادیب جو دنیا میں گزرے ہیں اُن کی کتابوں پر بعض دفعہ معمولی معمولی مدرّس اعتراض کر دیا کرتے ہیں جس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ مدرّس روزانہ تعلیم دینے کی وجہ سے صَرف ونحو کے مسائل سے خوب واقف ہوتا ہے لیکن ادیب کو ان باتوں کا زیادہ علم نہیں ہوتا۔ پس یاد رکھو کہ اگر خدا تعالیٰ کا قُرب چاہتے ہو تو اپنے آپ کو مفید بنانے کی کوشش کرو۔ اس بارے میں کسی علم کی ضرورت نہیں، دولت کی ضرورت نہیں بلکہ تم میں سے اگر کسی کی مالی حالت کمزور ہے یا علمی حالت کمزور ہے تب بھی وہ ایسے کاموں میں حصہ لے سکتا ہے جن میں بنی نوع انسان کا فائدہ ہو۔ قادیان کی لجنہ اماء اللہ کو بھی میں نے بار ہا اس کی طرف توجہ دلائی ہے مگر انہوں نے اب تک کوئی توجہ نہیں کی۔ اس کی ذمہ داری میری بیویوں اور لڑکیوں پر بھی ہے اور باقی عورتوں پر بھی۔ میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ کئی عورتیں زچگی

میں محض اس لئے مر جاتی ہیں کہ انہیں بر وقت صحیح امداد نہیں ملتی ۔ چونکہ عام عورتیں زچگی کے اصول نہیں جانتیں اور بوجہ غریب اور اَن پڑھ ہونے کے صفائی کے اصول سے بھی ناواقف ہوتی ہیں اس لئے ذراسی بے احتیاطی کی وجہ سے ان کی جانیں ضائع چلی جاتی ہیں ۔ میں نے لجنہ سے کہا ہے کہ اگر تم اور کچھ نہیں کرسکتیں تو یہی کرلو کہ جب کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتو دو چار دن صحیح طریق پر اُس کے لئے امداد بہم پہنچائی جائے ۔ یہ صرف دو چار دن کی بات ہوتی ہے مگر ان دو چار دنوں میں ہی سینکڑوں عورتیں مر جاتی ہیں اور ایسی معمولی معمولی غفلت کی وجہ سے مر جاتی ہیں کہ انسان انہیں معلوم کر کے تعجب کرتا ہے ۔ تو بہت بڑے کام کئے جاسکتے ہیں اور ہر طبقہ اور ہر سوسائٹی کے لوگ ان میں حصہ لے سکتے ہیں مگر اس طرف رغبت بہت کم ہے اور امید یہ کی جاتی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات وہ ملیں جو کامل مؤمنوں کو ملا کرتے ہیں جو کسی طرح ممکن نہیں اگر تم کڑوی چیز بوؤ گے تو کڑوی ہی اُگے گی میٹھی چیز بوؤ گے تو میٹھی اُگے گی ، کھٹّی چیز بوؤ گے تو کھٹّی اُگے گی ۔ جیسی جیسی محبت کا رنگ پیدا کرو گے اُسی قدر اللہ تعالیٰ کے انعامات بھی تمہیں حاصل ہونگے خالی منہ کے دعووں سے کچھ نہیں بن سکتا ۔

پس ایسے وقت میں جبکہ جماعت مصائب شداد میں گھری ہوئی ہے ۔ میں توجہ دلاتا ہوں کہ یہ وقت ہوشیاری کا ہے ۔ اب بھی اپنے اندر تبدیلی پیدا کرو اور مخلوق سے ہمدردی کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرو ۔ صرف ارادہ اور عزم کی ضرورت ہے سامان اللہ تعالیٰ خود بخود مہیا کر دیتا ہے ۔ قادیان کے لوگوں پر خصوصیت سے بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے میں نے محلّہ وار انجمنیں اسی غرض کے لئے بنائی تھیں کہ وہ اس قسم کے کاموں میں مستعدی سے حصہ لیں مگر ان کے پریذیڈنٹ بھی اسی طرح سُست ہو گئے جس طرح اور لوگ سُست ہیں اور وہ ہمدردی اور اخوت جو ہر شخص میں ہونی چاہئے اس کا انہوں نے بہت کم نمونہ دکھایا ہے ۔ بے شک پچھلے دنوں جب وقف کنندگان میں سے ایک نوجوان نذیر احمد پر ایک حادثہ گزرا تو یہاں کی جماعت کے افراد نے بہت اچھا نمانہ دکھایا ۔ کئی لوگ راتوں رات بٹالہ گئے اور انہوں نے اچھی خدمت کی ۔ یہ چیزیں مجھے یاد ہیں بھولی ہوئی نہیں مگر میں کہتا ہوں کہ اس سے بہت زیادہ کام اور مستقل کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ جب کوئی صدمہ تازہ ہو اُس وقت ہر شخص کے دل میں جوش ہوتا ہے مگر پھر جوش ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس لئے روزانہ ان کاموں

کے لئے کچھ نہ کچھ وقت نکالنا چاہئے ۔ مثلاً صفائی ہی ہے جس کی طرف سخت توجہ کی ضرورت ہے قادیان کے راستوں اور گلی کوچوں میں اتنا گند ہوتا ہے کہ گزر انہیں جاتا ۔ میں نے کئی دفعہ کہا ہے کہ صفائی کے لئے کوئی قدم اُٹھاؤ ، میں خود شریک ہونے کے لئے تیار ہوں مگر نہ نظارتیں اس طرف توجہ کرتیں ہیں اور نہ محلّہ وار انجمنیں ۔ اگر کوئی اس قسم کا کام شروع کیا جائے تو جب میں اس میں شامل ہونے کے لئے جاؤں گا تو مخلص لوگ تو جائیں گے ہی ، مجھے دیکھ کر کمزور لوگ بھی چلے جائیں گے ۔ اور اس طرح '' ہم خرما ہم ثواب '' کی مثل کے مطابق اس میں شامل ہو جائیں گے ۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم اگر ہر محلّہ میں لوگ اپنے اپنے دروازوں کے آگے گند جمع نہ ہونے دیں تو اس طرح بھی بہت حد تک صفائی ہو سکتی ہے ۔ ان امور کی طرف توجہ نہ کرنے کے نتیجہ میں کتنی بیماریاں ہیں جو آتی ہیں ۔ ہیضہ ، طاعون ، ٹائیفائڈ وغیرہ سب بیماریاں گندگی سے ترقی پاتی ہیں اور غلاظت کا نتیجہ ہوتی ہیں ۔

رسول کریم ﷺ بھی کئی دفعہ صحابہ سے اس قسم کا کام لے لیا کرتے ۔ ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ آوارہ کُتّے مارو چنانچہ صحابہ کُتّے مارتے رہے ۔[10] پھر رسول کریم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر ایک کانٹا بھی راستہ سے ہٹا دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب ملتا ہے ۔[11] جب راستہ سے کانٹا ہٹانے والے کا ثواب ہے تو یہاں جو ڈھیروں ڈھیر غلاظت پڑی ہوتی ہے کیا اسے دور کرنے کا ثواب نہیں ہوگا ۔ عام طور پر ہمارے ملک میں لوگ راستہ پر پیشاب کرنے بیٹھ جاتے ہیں اگر کہا جائے کہ دس قدم ہٹ کر پیشاب کرو تو ناراض ہو جاتے ہیں ۔ اور ہمارے پنجابی تو بعض دفعہ عجیب رنگ میں جواب دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں '' چھڈ بھی یار تینوں کدی پیشاب نہیں آندا '' ۔ اور یہ کہہ کر وہیں پیشاب کرنے بیٹھ جاتے ہیں حالانکہ یہ تہذیب کی بالکل ابتدائی باتیں ہیں ۔ اور اگر دس دن بھی لوگ احتیاط کریں تو سب کو اس کا فائدہ محسوس ہونے لگے گا ۔ اور آئندہ کے لئے اس قسم کی باتیں نہ ہونے دیں گے ۔

پس یتامیٰ و مساکین کی خبر گیری کرو ، بیواؤں کی خبر گیری کرو ، لوگوں کی اخلاقی تمدنی اور اقتصادی حالت کی درستی کی طرف توجہ کرو اور یاد رکھو کہ چند دن کے بعد ہی تم کو ایسی عادت پڑ جائے گی کہ یہ کام بوجھ نہیں معلوم ہونگے ۔ دیکھ لو نمازوں پر کتنا زیادہ وقت خرچ ہوتا ہے کئی گھنٹے اس پر خرچ ہو

جاتے ہیں مگر چونکہ نمازیں پڑھنے کی لوگوں کو عادت ہوتی ہے اس لئے بوجھ محسوس نہیں کرتے بلکہ جولوگ زیادہ نمازیں پڑھنے کے شائق ہیں وہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر ہوسکتا تو وہ اور نمازیں بھی اپنے پر فرض کرنے کو تیار ہو جائیں۔ اسی طرح دوسرے کاموں سے بھی اگر ہم رغبت پیدا کرلیں تو ان کا کرنا ہمیں کچھ بھی بوجھ محسوس نہ ہو۔ مثلاً اگر گھر والوں کو بھی خیال رہے کہ کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے دروازہ پر پھینک دینا اچھی بات نہیں، اگر ہر محلّہ میں نگرانی کی جائے اور کوڑا کرکٹ پھینکنے والوں سے کہا جائے کہ ہم فلاں جگہ تمہیں کوڑا پھینکنے نہیں دیں گے تو گو چند دن نگرانی کرنی پڑے گی مگر آخر عادت ہو جائے گی اور محلّہ گند سے پاک ہو جائے گا۔ اسی طرح ہندو، مسلمان، عیسائی، سکھ، کسی مذہب وملت کے یتیم و مسکین کی پرورش کی جائے اور اس کے احساسات کا خیال رکھا جائے تو رفتہ رفتہ اسی کام میں لذت آنی شروع ہو جائے گی۔ اور یہی کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ کہہ کر ہمارے ذمہ ڈالا گیا ہے کہ ہم اپنی ہر نعمت سے بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچائیں اور اپنا وجود ان کے لئے مفید ترین بنائیں۔ اور میں سمجھتا ہوں اب ہماری جماعت کے لئے وقت آ گیا ہے کہ وہ اِس حکم پر بھی عمل کرے۔ درحقیقت قرآن کریم سارے کا سارا ہمارے لئے قابلِ عمل ہے۔ اور اگر ہم کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے ہاتھ اور اپنے پاؤں خود کاٹتے ہیں۔

(الفضل ۲۴ /اکتوبر ۱۹۳۵ء)

---

۱ النساء:۱۴۳ ۲ الم نشرح:۸،۹ ۳ الضحیٰ:۱۲ ۴ التوبة:۲۴

۵ بخاری کتاب الجهاد باب قول الله عَزَّ وَجَلَّ من المؤمنین رجَال صَدَقُوْا (الخ)+ سیرت ابن ھشام جلد ۲ صفحہ ۸۵ مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ

۶ بخاری کتاب المغازی باب غَزْوَة اُحد

۷ بخاری کتاب المناسک باب النزول بین عرفة و جمع

۸ بخاری کتاب العلم باب طرح الامام المسئلة علیٰ اصحابہٖ لیختبر ما عندهم من العلم

۹ بخاری کتاب الجنائز باب من انْتظَرَ حتّٰی یُدْفَنَ

۱۰ مسلم کتاب المساقات والمزارعة باب الامر بقتل الکلاب

۱۱ بخاری کتاب المظالم باب مَنْ اَخذَ الْغُصْنَ وَمَا یُؤْذِی النَّاسَ فِی الطَّرِیْقِ فَرَمٰی بِهٖ